رسول اللہ ﷺ کی سیرت نگاری

تحریر: غلام سرور قریشی (ریٹائرڈ ٹیچر) عباس پورہ جہلم

ہمیں، قبلتین و ثقلین و انبیاء ☐ کے امام اعظم ﷺ کی حیات طیبہ سے وہی محبت ہے جو بلبل کو پھول سے ہوتی ہے۔ یہ محبت، ایمان کی جان ہے۔ ہم نے بامقدور تاریخ شرق و غرب کا مطالعہ کیا ہے۔ بڑے بڑے باجبروت بادشاہوں کے درباروں کے جاہ و جلال کا ذکر پڑھا ہے۔ فراعنہ مصر کا حال بھی دیکھا ہے مگر تاریخ کے آئینہ میں نظر آنے والا کوئی بھی چہرہ اتنا حسین نہیں جتنا ہمارے نبی اکرم ﷺ کا ہے۔ فتح مکہ کا دن تو اس بات کا متقاضی تھا کہ حضور ﷺ اپنے بدترین دشمنوں کے قتل عام کا حکم دیتے مگر ﴿لا تثریب علیکم الیوم﴾ فرما کر سب کو معاف کر دیا۔ اس ہندہ کو بھی معاف فرما دیا جس نے آپؐ کے چچا سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبایا تھا۔ یہ رحمۃ للعالمین ہونے کا ثبوت تھا۔

سیرت محمدی ﷺ ایک ایسا شیریں موضوع ہے جس پر علمائے اسلام نے ہمیشہ طبع آزمائی کی ہے اور تا قیامت کرتے رہیں گے۔ حیات طیبہ کے واقعات و حالات تو وہی ہیں جو ہمیشہ سے ہیں مگر سیرت نگاروں نے ان سے ایسے ایسے گلدستے سجائے ہیں کہ ہر گلدستہ ندرت کے اعتبار سے یگانہ ہے:

شیریں تر از حکایت مانیست قصہ ای　　　　تاریخ جہاں را سراسر نوشتہ ایم

نظیری اس شعر میں کہتا ہے کہ اس نے ساری تاریخ عالم لکھی ہے مگر اسے قصہ ما یعنی سیرت محمدیہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شیریں عنوان اس میں نہیں ملا۔

سیرت نگاری اور تاریخ نویسی میں بنیادی فرق ہے۔ مورخ واقعات عالم سے آگاہی کیلئے مأخذ کی تلاش سے اپنے کام کا آغاز کرتا ہے۔ یہ کام تو اب آسان ہو گیا مگر عہد قدیم میں ایسا نہ تھا اور اسے آثارِ قدیمہ اور پرانے سکوں پر غور کر کے خود تاریخ کو جنم دینا پڑتا تھا اور جو نتائج وہ اخذ کرتا تھا زیادہ تر اس کے اپنے ظن و تخمین پر مبنی ہوتے تھے۔ آج علمی زمانہ ہے اور تاریخ جدید کے رشتے عہد قدیم کی مربوط تاریخ سے جڑے ہوئے مل جاتے ہیں۔ عہد قدیم کے مورخین جادہ تراش تھے اور جدید تاریخ نویس اس جادہ کے راہرو نہیں۔

میں نے طویل جملہ معترضہ اس لئے لکھا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کا بیان کرنے والے حضرات کسی ایسی مشکل سے دوچار نہیں ہوتے جہاں محض ظن سے کام لینا پڑے۔ عام مؤرخ کتنا ہی غیر جانبدار ہو، اپنے طبعی میلانات اور پسند و ناپسند سے پورے طور پر آزاد نہیں ہو سکتا۔ تاریخ ہند ہی کو لے لیجئے، ہندو مؤرخین مسلمان کشور کشاؤں اور فاتحین کو لٹیرا بنا کر رکھ دیتے ہیں۔ وہ آج بھی پرتھوی راج کو ہیرو اور شہاب الدین غوری کو بزدل اور بھگوڑا کہتے ہیں حالانکہ اول الذکر فرار ہو کر دریائے سرسوتی میں کود گیا تھا اور مؤخر الذکر نے اسے دریا سے نکال کر پھر دعوتِ مبارزت دی اور قتل کیا تھا۔ مگر حضور اکرم ﷺ کی سیرت پر قلم اٹھانے والوں کو ایسے کسی تعصب یا غلو کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ آپ کی 23 سالہ پیغمبرانہ زندگی کے ایک ایک لمحہ کا ریکارڈ نہایت مستند حوالوں سے صحاح ستہ میں منضبط و مرقوم ہے۔ مگر مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض سیرت نگاروں نے خواہ مخواہ غلو سے کام لیا ہے اور من گھڑت اور موضوع روایات پر بھروسہ کیا ہے۔ میں قرآنی حوالہ دیتا ہوں۔ ﴿ورفعنا لک ذکرک﴾ اللہ فرماتے ہیں: "(اے محبوبؐ) ہم نے آپؐ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔" میرے نزدیک رفع ذکر مصطفیٰ ﷺ کی رفعتوں اور بلندیوں کا تصور محال ہے۔ یہ "رفع" اللہ نے بیان کیا ہے اور وہی اس کی انتہاؤں کو جانتا ہے۔ میں اس رفع کو تین واقعات میں بیان کرتا ہوں:

الف: مسجد اقصیٰ میں انبیائے کرام علیہم السلام کی امامت

ب: معراج شریف کی رات ساتوں آسمانوں اور جنت و جہنم کی سیر۔

ج: میدانِ حشر میں آدم علیہ السلام اور ساری اولاد آدمؑ کا ان کے لوائے حمد تلے ہونا، مقام محمود پر فائز ہونا اور شفاعت کبریٰ کا اعزاز پانا۔

میں پوچھتا ہوں کہ ان عظمتوں، رفعتوں اور بلندیوں سے متصف ہونے کے بعد کوئی بلندی باقی بھی ہو سکتی ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں! یہ ارفع ترین مقامات قرآن شریف میں مذکور ہیں یا حدیث میں مستند حوالوں سے مرقوم ہیں۔ مگر کچھ سیرت نگاروں کو رفعتِ مقامِ محمدیؐ میں کمی نظر آتی ہے اور وہ اس کمی کو پورا کرنے کیلئے سراسر ایک موضوع روایت کا سہارا لیتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے اپنی تخلیق کے بعد عرش کے کنارے پر کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا دیکھا تھا۔ پھر جب زمین پر اتارے گئے اور مدتوں قبول توبہ سے محروم رہے تو آخر محمد ﷺ کے صدقے قبول توبہ کی دعا کی جو مستجاب ہوئی۔ یہ حضرات اس سے ایک تو توسل کا

مسئلہ ثابت کرتے ہیں اور دوسرا بزعم خویش ذکر مصطفیٰ ﷺ اور مقام مصطفیٰ ﷺ کی اس بلندی میں اضافہ کرتے ہیں جس پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کمالات نبویؐ کو پہنچایا ہے۔ سیرت نگاروں کا یہی طبقہ آپ کو اللہ کے نور میں سے پیدا کرتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو خود ہی ''سراج منیر'' فرمادیا ہے۔ میں کہتا ہوں، سراج منیر کا ''خطاب عالیہ'' الٰہیہ ہے۔ یہی وہ سراج منیر ہے جس کی تعلیم و ہدایت سے جہالت، ظلم اور شرک کی ظلمتیں چھٹ گئی ہیں۔ اسی سراج منیر کی بعثت، وہ نقطہ آغاز ہے جس سے آگے دنیا علم و آگہی سے منور ہوئی۔ اللہ تعالیٰ جسے سراج منیر فرمادیں، تم اس کی نور بیزیوں میں کیا اضافہ کر سکتے ہو۔ غلو کے عادی حضرات دعویٰ کرتے ہیں اور یہ دعویٰ ان کے پہلے دعویٰ کی بری طرح تردید کرتا ہے۔ پہلے ''نورٌ من نور اللّٰہ'' کہتے ہیں اور پھر پہلا دعویٰ انہیں بھول جاتا ہے اور نیا دعویٰ کرتے ہیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نور محمدؐ کو پیدا فرمایا۔'' یہ بات متضاد ہے۔ نور الٰہیہ خالق ہے اور خالق، مخلوق نہیں ہوسکتا جبکہ نبی ﷺ مخلوق ہیں۔ یہ محال ہے کہ خالق کے نور کا ایک حصہ اس سے جدا ہو کر مخلوق ہو جائے اور اگر یہ دعویٰ درست مان لیا جائے تو دوسرا دعویٰ باطل ٹھہرتا ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ سیرت نگاران باتوں سے کیا اضافہ مقام محمدیؐ میں کرتے ہیں؟ بلکہ سچ کہوں تو وہ حق میں ملاوٹ کر کے، اس کی اہمیت کو کم کرتے جو حق نبی میں کسر ہے۔ ہمارے پاس قرآن شریف اور احادیث مبارکہ میں سچے موتیوں کی اتنی بھرمار ہے کہ تا مدۃ العمران کو سیرت طیبہ میں جڑتے رہیں تو بھی یہ ختم ہونے والے نہیں۔ گلشن قرآن میں گلاب اور نرگس شہلا کے ایسے ایسے گلہائے تر موجود ہیں جن کی مدد سے ہم نعت نبی کے ہار پروتے رہیں تو یہ کبھی کم پڑنے والے نہیں۔ آخر ہمیں ایسی کونسی کمی کا سامنا ہے کہ ہم جھوٹے نگوں کی مینا کاری سے کام لیں۔ بہرحال ہمیں یہ ضرور یاد رکھنا چاہیے کہ غلو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ پھر یہ بھی یاد رہنا چاہیے کہ غالی، جتنا غلو کر سکتے ہیں کرلیں، وہ شانِ نبیؐ کو ان بلندیوں سے آگے نہیں لے جاسکتے جن تک اللہ تعالیٰ نے اسے خود پہنچا دیا ہے۔ ہر اذان میں نبی ﷺ کا ذکر، ہر نماز میں آپؐ پر درود، ہر دعا کے اول و آخر آپؐ پر درود جس کے بغیر دعا بارگاہِ قدس میں مستجاب نہیں۔ اسم مبارک محمدؐ سن کر درود نہ پڑھنے والا کم نصیب ہے۔ ہم تم ذکر مصطفیٰ ﷺ اور شان مصطفیٰ ﷺ میں اضافہ کرنے کا سوچیں تو گویا ہم اللہ تعالیٰ سے آگے بڑھنے کی سعی کریں گے اور کون نہیں جانتا کوئی اسے کسی میدان میں ہرا نہیں سکتا۔ جبریل امین علیہ السلام جن کے قاصد ہوں، جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام لے کر آئیں، معراج کی رات جن

کے براق کے ہم رکاب ہوں، ان کی عظمتوں میں وضعی روایات سے اضافہ کا سوچنا، نری بے عقلی ہے۔ ان روایات کی ضرورت تو تب پڑے کہ قرآن وصحاح ستہ کے سچے خزانے کم پڑ جائیں۔ اس نبیؐ کے علوِ مرتبت میں تم کیا اضافہ کر سکتے ہو جس کا امتی ہونے کی تمنا عیسیٰ علیہ السلام نبی کریں۔

اس نبیؐ کی شان دوبالا کرنے کیلئے من گھڑت باتوں کا استعمال بہت ہی چھوٹی بات ہے، جو اس وقت مقام محمود پر متمکن ہو کر شفاعت کبریٰ کا مجاز ہوگا جب آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام سارے انبیاء علیہم السلام نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ اس نبی ﷺ کی شان بیان کرنے کیلئے من گھڑت قصے کیوں استعمال کئے جائیں جسے اللہ تعالیٰ نے خود حوض کوثر کا ساقی بنا دیا ہے۔ جب ہمارے پاس مسلّمات کے معمور خزائن موجود ہیں تو پھر متنازعات کا حوالہ کیا واجب ہے؟ متنازعات کے بیان سے ذات نبی ﷺ کی شان والا شان خود امت میں متنازعہ ہوتی ہے اور یہ تنازعہ پیدا کرنے والے ضرور جانتے ہیں کہ قرآن بینات کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑنے کو پسند نہیں کرتا۔

کوئی سیرت نگار کتنا زور لگا لے، موضوع روایات اور بے سند حکایات کبھی ثقاہت کا درجہ نہیں پا سکتیں کیونکہ قرآن کا بیان اور نبی ﷺ کا فرمان، بول بول کر بتا دیتا ہے کہ یہ کہانیاں نبی ﷺ کے شایانِ شاں نہیں ہیں۔ سچی روایات کے سامنے وضعی روایات خود ہی اپنا پول کھول دیتی ہیں۔ جس نبیؐ کے آثار تورات و انجیل نے بھی بتائے ہیں۔ حتیٰ کہ اس کا نام مبارک احمد بھی لکھ دیا ہو، جس کی آمد بطور خاتم الانبیاء ﷺ کو یہود و نصاریٰ بھی جانتے تھے۔ یہی وہ انجیل میں مذکور نشانیاں تھیں جنہیں دیکھ کر بحیرہ راہب نے حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے عہد طفولیت میں آپ کو پہچان لیا تھا۔ یہی وہ آثار تھے جنہیں دیکھ کر ورقہ بن نوفل نے آپؐ کے دعوائے نبوت کی تصدیق کی تھی۔ یہ انہی کتابوں میں لکھا تھا کہ آپؐ کو آپؐ کی قوم وطن سے بے دخل کر دے گی۔ یہ ہے اصلی شان ﴿ورفعنا لک ذکرک﴾ کی۔ آپؐ کا ذکر آپؐ کی بعثت سے صدیوں پہلے بھی موجود تھا اور تا قیام قیامت اسی آب وتاب سے زندہ و تابندہ و پائندہ رہے گا۔ یہ ذکر اپنی بقا کیلئے کسی بے سروپا دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ یہ ذکر پاک اللہ تعالیٰ کا بلند کردہ ہے تم اس میں اضافہ کرنے کا نہ سوچو بلکہ اسی پر اکتفا کرو۔ یہ انعام الٰہیہ ہے۔ نعمت پر شکر واجب ہوتا ہے اور یہ نعمت ایسی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خود درجہ کمال تک پہنچا دیا ہے۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر والحمد للہ رب العالمین